معیار: علمی و تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، جلد:۲، شمارہ:۱ جنوری-جون ۲۰۱۰ء

جنوبی ایشیا میں فارسی متون کی ترتیب، تدوین اور احیاء:
عارف نوشاہی کے ساتھ ایرانی محققین کے ایک پینل کا مصاحبہ

اردو ترجمہ: ڈاکٹر عصمت درّانی*

یہ مصاحبہ اگست ۲۰۰۳ء میں ایک ایرانی تحقیقی اور اشاعتی ادارے ''مرکز نشر میراث مکتوب''، تہران میں انجام پایا۔ پینل میں ایسے ایرانی محققین شامل تھے جن کا تعلق کلاسیک متون کی ترتیب و تدوین اور مخطوطات شناسی سے ہے۔ پینل کے شرکاء کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

-احمد رضا رحیمی ریسہ، کتابیات تیار کرنے والے ادارے ''فہرستگان'' کے مہتمم اور مخطوطہ شناس؛

-اکبر ایرانی، مرکز نشر میراث مکتوب کے مدیر اور ایران میں متعدد قدیم متون کے ناشر؛

-جمشید کیان فر، کئی تاریخی متون کے مرتّب اور رسالہ آینۂ میراث کے مدیر؛

-حسن انوشہ، فارسی ادب کے انسائیکلو پیڈیا [دانش نامۂ ادب فارسی] کے نگران اور مدیر۔

یہ مصاحبہ فارسی میں انجام پایا اور اس کا فارسی متن رسالہ آینۂ میراث، تہران، سال ۱۳۸۳ھ ش/ ۲۰۰۴ء کے ضمیمہ ۲ کے طور پر چھپا۔ اردو ترجمہ پر خود ڈاکٹر عارف نوشاہی نے نظر ثانی کرتے وقت کچھ جزوی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

☆☆☆

رحیمی ریسہ: ہم اس وقت ڈاکٹر عارف نوشاہی کی خدمت میں حاضر ہیں جو برّصغیر اور بالخصوص پاکستان کے معروف نسخہ شناس اور فہرست نگار ہیں۔ ان کی ایران تشریف آوری کے موقع پر ہم نے انہیں زحمت دی۔ ہماری درخواست ہے کہ وہ ہمیں برّصغیر میں فارسی متون کی تصحیح و احیا سے متعلق صورت حال سے آگاہ کریں۔

ڈاکٹر نوشاہی: میں آقائے اکبر ایرانی کا، جنھوں نے اس محفل کا اہتمام کیا اور ان تمام احباب کا، جو زحمت اٹھا کر یہاں تشریف لائے، ممنون ہوں۔ جہاں تک برّصغیر میں تدوین و تصحیح متون یا احیائے متون کا تعلق ہے، اس کی اکیڈمک مثال گیارہویں صدی ہجری میں عبداللطیف عباسی گجراتی کے ہاں ملتی ہے جنھوں نے مولانا روم کی **مثنوی** اور سنائی کی **حدیقۃ الحقیقہ** کو کئی نسخوں کی مدد سے نہ صرف مرتّب کیا بلکہ تصحیح و تقابل کے اصول بھی وضع کیے۔ بعد ازاں اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف

* لیکچرر، شعبۂ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

میں انگریزی عہد حکومت میں جب برّصغیر میں چھاپہ خانہ قائم کیا گیا تو برّصغیر کی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ فارسی کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جو پہلی فارسی کتاب چھپی وہ ۱۷۸۱ء میں ہرکرن ملتانی کی **انشاے ہرکرن** تھی۔ اس وقت تک ایران میں چھاپہ خانہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اگرچہ **انشاے ہرکرن** سے قبل برّصغیر میں فارسی سے انگریزی یا انگریزی سے فارسی کچھ لغات چھپ چکے تھے، لیکن اولین شائع شدہ مکمل فارسی متن یہی کتاب ہے۔

برّصغیر میں چھاپہ خانہ کا قیام، فارسی زبان کے احیا کے لیے ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے قبل برّصغیر میں مخطوطات نویسی یا قلمی نسخوں کی بذریعہ کتابت نقل لینے کا طریقہ رائج تھا جس کے نتیجے میں اب برّصغیر میں عربی، فارسی اور مقامی زبانوں کے اسلامی مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ چھپائی کی صنعت برّصغیر میں متعارف کرانے میں مسیحی مشنری پیش پیش تھے۔ بعد میں ابتدائی چھاپہ خانے انگریزوں نے قائم کیے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور ۱۸۵۷ء کے بعد تاج برطانیہ کے زیر نگرانی حکومت ہند کی سرپرستی میں کام کرتے تھے۔ بعد میں کئی نجی اور غیر سرکاری مطبعے برّصغیر کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں قائم ہو گئے اور تیزی سے طباعتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ان میں سب سے اہم اور قابل ذکر اشاعتی ادارہ ''مطبع منشی نول کشور'' لکھنو تھا جو ۱۸۵۸ تا ۱۹۴۰ء فعال رہا۔ اس کی شاخیں برّصغیر کے دیگر شہروں کان پور اور لاہور میں بھی تھیں۔ اگرچہ اس دور میں ''نظامی'' اور ''مصطفائی'' نام سے دیگر اشاعتی ادارے (مطبع) بھی کام کر رہے تھے، لیکن مطبع منشی نول کشور نے فارسی متون کے احیا میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ اس مطبع میں ہر موضوع پر کسی تخصیص کے بغیر کتب طبع ہوئیں۔ منشی نول کشور [وفات: ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء] خود ہندو تھے لیکن اسلامی موضوعات پر سب سے زیادہ کتب شایع کرنے والے وہی ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر منشی نول کشور علوم اسلامی یعنی عربی و فارسی کی یہ کتب شائع نہ کرتے تو شاید ہماری تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کی نسل اسلام سے کما حقہ آگاہی حاصل نہ کر پاتی۔ چونکہ برّصغیر میں موجود مخطوطات ہر کسی کی رسائی میں نہیں تھے لہذا ان کتب کی اشاعت نے وہاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ ان چھاپہ خانوں کے زیر اہتمام چھپنے والی بیشتر فارسی کتب عموماً بغیر تصحیح و تدوین کے ہیں۔ ان چھاپہ خانوں کا معمول یہ تھا کہ کوئی ایک نسخہ منتخب کر کے کاتب کے سپرد کر دیا جاتا، وہ اس کی کتابت کرتا اور پھر اس کی سنگی طباعت کر دی جاتی۔ قلمی نسخے اور اس کتاب میں فرق صرف طباعت کا ہوتا۔ لیکن صحت متن کے لحاظ سے یہ کتب چنداں قابل اعتماد نہ تھیں۔

۱۵ جنوری ۱۷۸۴ء کو ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال کا قیام عمل میں آیا اور متون کی تدوین کا کام درست بنیادوں پر استوار ہوا۔ اس انجمن کا طریقہ کار یہ تھا کہ چند نسخے تقابل کے لیے مصحّح یا مرتّب کے حوالے کیے جاتے تا کہ وہ اس پر مقدمہ لکھے، ایک تنقیدی جائزہ لے اور حواشی و تعلیقات تحریر کر کے متن پیش کرے۔ اس ادارے نے اہم ترین تاریخی متون اور تذکروں کے علاوہ ہندی اور اسلامی موضوعات پر بعض کتب بھی شائع کی ہیں۔

ایرانی: یہ سوسائیٹی کس ادارے سے وابستہ تھی؟

ڈاکٹر نوشاہی: وائسراے ہند اس کا سرپرست تھا، جب کہ سر ولیم جونز اس کے بانی اور سربراہ تھے۔

ایرانی: یعنی انگریز دور حکومت سے قبل اس کا کوئی وجود نہ تھا؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی نہیں۔

کیان فر: آپ نے بتایا کہ برّصغیر میں متون کی اشاعت کا اولین رائج شدہ طریقہ یہ تھا کہ کسی منتخب نسخے کی سنگی طباعت کے مقاصد کے پیش نظر کتابت کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں اس وقت سنگی طباعت رائج تھی لیکن اب کمپوزنگ کی جاتی ہے۔ یہ بتائیے کہ طباعت کے لیے نسخے کا انتخاب کس معیار پر کیا جاتا تھا؟ کیا نسخے کی تاریخ کتابت کو مدّ نظر رکھا جاتا تھا یا صرف اس کی شہرت پر ہی اکتفا کیا جاتا تھا؟

ڈاکٹر نوشاہی: میں تقریباً پچیس سال سے برّصغیر کی مطبوعہ فارسی کتب کی فہرست نویسی کر رہا ہوں۔ بعض کتب کے آخر میں ناشر یا جس کسی نے بھی وہ کتاب چھاپی ہے، کی طرف سے یہ تحریر دیکھنے میں آتی ہے کہ اس نے یہ کتاب فلاں کتب خانے میں موجود فلاں قلمی نسخے کی مدد سے شائع کی ہے۔ یعنی اس کتاب کی طباعت میں اس نسخے کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ چند استثنائی صورتوں میں ہی قلمی نسخے کو پیش نظر رکھا جاتا اور اس کا ذکر کیا جاتا۔ بیشتر متون، قلمی نسخے کے موضوع اور قدامت کو اہمیت دیئے بغیر ہی منتخب کر لیے جاتے تھے۔ ہندوستان کے چھاپہ خانوں سے جہاں اہم ترین متون شائع ہوئے، وہاں بہت سے غیر اہم موضوعات پر بھی کتب طبع ہوئی ہیں لیکن یہ کہ وہ طباعت کسی قلمی نسخے پر مبنی ہے؟ اس جانب طابعین یا ناشرین کم ہی اشارہ کرتے تھے۔

کیان فر: دوسری بات چھپنے والی کتب کے کسی ایک ایڈیشن کی تعداد سے متعلق ہے۔ سنگی طباعت میں یہ گنجائش محدود ہونے کے باعث ۵۰۰ یا زیادہ سے زیادہ ۷۰۰ کی تعداد مناسب قرار دی جاتی۔ عموماً ۶۰۰ نسخوں سے متجاوز صورت میں چھپائی کا مطلوبہ معیار اور عمدگی برقرار نہیں رہ پاتی تھی۔ کیا زیادہ تعداد میں کتاب چھاپنے کے لیے دو یا تین مرتبہ پتھر بنانا پڑتا تھا یا صرف ایک پتھر سے ہی مطلوبہ تعداد حاصل ہو جاتی تھی؟

ڈاکٹر نوشاہی: عموماً کتب پر بار طباعت یا ایڈیشن کا اندراج ہوتا ہے۔ مثلاً طبع اول، طبع دوم، طبع سوم وغیرہ، تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ہندوستان اس وقت کتابوں کی تجارت کا مرکز تھا۔ افغانستان، ماوراء النہر اور ایران میں شاید طباعت کی صنعت کے سلسلے میں زیادہ پیش رفت نہیں ہوئی تھی اور ان ممالک کے ناشرین اپنی کتب ہندوستان لاتے اور یہاں سے چھپواتے۔ گویا ہندوستان نہ صرف برّصغیر بلکہ قرب و جوار کے ممالک کی اشاعتی ضروریات بھی پوری کرتا رہا۔ اسی لیے یہاں تعداد بھی زیادہ تھی۔ میں جب برّصغیر میں چھپنے والی فارسی کتب کی فہرست تیار کر رہا تھا تو مجھے یاد پڑتا ہے ایک کتاب کے بہتر ویں ایڈیشن کا اندراج ہوا۔ **مثنوی مولانا روم، دیوان حافظ، گلستان، بوستان** اور دیگر کثیر الاشاعت درسی کتب کا تو ذکر ہی کیا جو سو ویں یا دو سو ویں بار بھی چھپتیں تو کم پڑتیں۔

کیان فر: جب ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال نے فعالیت کا آغاز کیا اور پہلے پہل متون کا احیا کیا تو ان کے ترجیحی موضوعات کیا تھے؟

ڈاکٹر نوشاہی: انھوں نے اپنی بیشتر توجہ تاریخ ہند کی جانب مبذول رکھی۔ زیادہ تر تاریخی متون مثلاً **اکبر نامہ، عمل صالح، مآثر الامراء** اور

طبقات اکبری وغیرہ اور بعض تذکرے چھاپے۔ یہ ٹائپ میں چھپتے اور طباعت عمدہ تھی۔ سوسائیٹی کی مطبوعات کی واحد خامی اس کا کاغذ ہے۔ جواب وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ قابل استعمال نہیں رہا اور ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کتب کا عکس چھپنا چاہیے تا کہ انہیں دوبارہ لائق استفادہ بنایا جا سکے۔

کیان فر: اس دور میں جو نسخے شایع ہوئے، ان میں سے ایک، میکن ٹرنر (Macan Turner) کا تصحیح کردہ **شاہنامہ** بھی تھا، جو نامکمل رہا۔ کیا یہ نسخہ بھی اس سوسائیٹی کی طرف سے شائع ہوا؟ یا اس کی دیگر جلدیں جو اس ادارے سے چھپیں، کیا اب بھی برّصغیر میں موجود ہیں یا نہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: اس نسخہ کی ۱۸۲۹ء میں ٹرنر نے حافظ احمد کبیر کی مدد سے تصحیح کی اور کلکتہ کے بپٹسٹ مشن پریس سے چھپا۔

کیان فر: کیا ٹرنر نے ذاتی طور پر یہ نسخہ چھپوایا؟

ڈاکٹر نوشاہی: کتاب کے سرورق پر سوسائیٹی کا نام نہیں ہے، صرف پریس کا نام درج ہے۔

انوشہ: ایرانی دانشوروں اور محققین کا خیال ہے کہ برّصغیر میں فارسی زبان کی سرکاری حیثیت ختم کرنے میں بنیادی کردار انگریزوں نے ادا کیا، لیکن دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فارسی کتب کے انگریزی تراجم سب سے پہلے برّصغیر میں ہوئے، پہلے چھاپہ خانے بھی سب سے پہلے انگریزوں نے ہی برّصغیر میں قائم کیے اور اتفاق سے ان چھاپہ خانوں سے اولین طبع شدہ کتب بھی فارسی کی ہی تھیں۔ انگلستان سے ہندوستان جانے والے افراد میں سے بہت سوں نے فارسی زبان وہیں سے سیکھی۔ **گلستان**، **بوستان** اور کئی دیگر کتب کا انگریزی ترجمہ سب سے پہلے برّصغیر ہی میں کیا گیا، لیکن دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ایک انگریز وائسرائے کے فرمان سے حکومتی مراسلت کے لیے انگریزی کو فارسی کی جگہ لایا گیا۔ آپ کے خیال میں یہ نظریہ کہ انگریز برّصغیر میں فارسی کے زوال کا باعث تھے، کس حد تک درست ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: اگر مجھے صحیح سال یاد ہو، انگریزوں نے ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کی برّصغیر کے سرکاری اداروں میں سرکاری حیثیت ختم کی، لیکن اس سے قبل مثلاً عدالتوں ہی کو لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس دور میں کوئی معمولی سا حکم نامہ بھی [برطانوی حکومت کی طرف سے] جاری ہوتا تو پہلے اس کا فارسی ترجمہ ضرور کیا جاتا تھا اور اسے تقسیم کیا جاتا۔ علاوہ ازیں ہر محکمے اور ہر شعبے کے لیے مقرر کردہ ضابطۂ عمل فارسی میں ترجمہ ہوتا تھا۔ اگر وہ فارسی کے لیے مخلص نہ تھے تو انھیں اس قسم کے اقدامات کی قطعاً حاجت نہ تھی۔ جہاں تک انگریزی کو سرکاری زبان قرار دینے کا تعلق ہے، اس کے پس پردہ کچھ اور سیاسی محرکات تھے۔

انوشہ: کیا یہ کوئی سیاسی حکمت عملی تھی یا اس کے پیچھے ہندوستان کو جدید دنیا سے روشناس کرانے کا محرّک کارفرما تھا، جس کے لیے ایک نئی اور جدید زبان ناگزیر تھی؟

ڈاکٹر نوشاہی: اچھا، تو آپ کے خیال میں وہ نئی زبان کون سی ہو سکتی تھی؟ اردو یا انگریزی؟

رحیمی ریسہ: ظاہر ہے انگریزی۔

ڈاکٹر نوشاہی: انگریزی؟ یہ بھی خوب نکتہ ہے۔ ہم اسی روز سے انگریزی سے وابستہ ہو گئے اور انگریزی ہماری علمی، دفتری اور سرکاری

زبان قرار پائی۔لیکن یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم نے ان ممالک کی نسبت، جن کی سرکاری زبان انگریزی نہیں ہے، کس قدر ترقی کی ہے؟

انوشہ: کیا یہ ایک استعماری سیاست ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہے۔

ایرانی: ہم اپنے متون کی تدوین کے موضوع کی جانب واپس آتے ہیں۔کیا آپ کے ہاں اس ادارے کے علاوہ جس کا ابھی آپ نے ذکر کیا، کوئی اور اشاعتی مرکز بھی ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال اپنی فعالیت سابقہ صورت میں برقرار نہ رکھ سکی۔۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد یہاں متون کی تدوین اور اشاعت کے لیے اور اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔مثلاً سندھ میں ''سندھی ادبی بورڈ'' کے نام سے ایک اشاعتی مرکز قائم کیا گیا، جس کے دفاتر حیدرآباد اور کراچی میں تھے۔کئی فارسی متون عمدہ تصحیح کے ساتھ یہاں سے چھپے۔تاہم اس ادارے کا اصل مقصد سندھ کی تاریخ کے آثار یا سندھی مصنفین اور شعراء کے تذکرے چھاپنا تھا۔معروف پاکستانی ایران شناس سید حسام الدّین راشدی اس ادارے سے علمی تعاون رکھتے تھے۔لاہور میں، جو کہ ہماری تہذیب وثقافت کا مرکز ہے، احیاے متون کے لیے پنجاب یونیورسٹی کی خدمات قابل ذکر ہیں۔مولوی محمد شفیع، جن کا شمار ہمارے بزرگان ادب اور معروف ایران شناسوں میں ہوتا ہے، نے بعض اہم متون کی تصحیح واشاعت اس نہج پر کی ہے جو آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔لاہور میں قائم ''پنجابی ادبی اکادمی'' بھی سندھی ادبی بورڈ کی طرح پنجاب کے مصنفین کے فارسی متون کی اشاعت کے لیے تندہی سے کام کرتی رہی ہے۔''مجلس ترقی ادب'' کے نام سے ایک اور ادارہ، جو اب بھی کام کر رہا ہے، نے اردو اور فارسی کے مشترکہ متون کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا ہے۔۱۹۷۰ء میں ''مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان'' کے نام سے ایک ادارہ، حکومت ایران و پاکستان کے تعاون سے اسلام آباد میں قائم کیا گیا جس کی زیادہ تر توجہ فارسی متون کی تصحیح واشاعت پر رہی ہے۔

کیان فر: آپ نے اپنی گفتگو میں ابھی ترجمہ کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ انگریز برّصغیر میں جو بھی دستور العمل نافذ کرتے، اس کا فارسی میں ترجمہ ضرور کیا جاتا۔یورپ میں بھی بعض کلاسیک [فارسی] متون کی تدوین ہوتی تھی اور اس کے بعد ان کا انگریزی اور فرانسیسی ترجمہ شائع ہوتا۔برّصغیر میں قدیم متون کے انگریزی تراجم کا تناسب کس قدر تھا جو انگریزوں کے ذریعے یا ان کی سرپرستی سے انجام پائے؟ اور وہ کن قابل ذکر فقہی، تاریخی اور جغرافیائی متون پر توجہ رکھتے تھے؟

ڈاکٹر نوشاہی: ان کی بیشتر توجہ تاریخی متون کی طرف رہی، پھر ادبی متون کی طرف، لیکن فقہی متون کی طرف زیادہ توجہ نہ دی گئی۔اگر ہم اسٹوری کی کتاب [*Persian Literature*] کی تاریخ والی جلد دیکھیں تو وہاں جا بجا یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ کتاب فلاں شخص نے، جو اس وقت ہندوستان میں موجود تھا، انگریزی میں ترجمہ کی۔گلستان سعدی جیسی بعض ادبی کتب کے انگریزی تراجم بھی وہیں ہوئے۔اس کے علاوہ اور بہت سی ایسی کتب ہیں جن کا ترجمہ اور طباعت ہندوستان میں ہی ہوئی۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ فارسی سے پہلے انگریزی تراجم اور ان کی اولین چھپائی زیادہ تر ہندوستان میں ہوئی۔

کیان فر: تاریخ کے ایک دور میں ہماری [ایرانیوں کی] توجہ یورپی کتب کے تراجم کرنے پر رہی، خواہ وہ تاریخی مسائل پر کتابیں تھیں، خواہ جغرافیائی مسائل پر۔ ان تراجم میں سے بعض کے مسودات اب بھی ایرانی کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ بعض فہرستوں میں بھی، جیسے احمد منزوی کی **فہرستوارۂ کتابہای فارسی** میں [اس نوعیت کے تراجم کے] دو ایک نام میں نے دیکھے ہیں۔ برّصغیر میں [ایران میں ہونے والے] ان تراجم کو کس قدر اہمیت دی گئی؟ قاجاری عہد حکومت میں ہونے والے تراجم اور نقولِ کتب کی کس حد تک برّصغیر میں پذیرائی یا تقلید ہوئی؟ اور کیا یہ ترجمے وہاں دستیاب بھی تھے؟ یا اس نوعیت کا کوئی کام وہاں ہوا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: **فہرستوارۂ کتابہای فارسی** میں جن تراجم کا ذکر ملتا ہے وہ زیادہ تر اردو یا انگریزی متون سے ہوئے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں فارسی زبان میں ترجمے بھی دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً کسی انگریزی اخبار کی رپورٹوں یا ہندوستان میں تصنیف ہونے والی کسی انگریزی کتاب کو ایرانی حکومت کے لیے ترجمہ کیا جاتا تھا۔ بیشتر تراجم تاریخی اور ادبی متون کے ہی تھے، نہ رپورٹیں۔ میری نظر سے ایسے تراجم کے مسودات نہیں گذرے۔

رحیمی ریسہ: برّصغیر میں تصحیح متون کے لیے کون سا اسلوب رائج تھا؟ مثلاً قیاسی اور تنقیدی تصحیح کو مستند سمجھا جاتا تھا؟ یا سب متون کی تدوین ایک ہی طریقے سے کی جاتی تھی؟

ڈاکٹر نوشاہی: چونکہ ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال، انگریزوں کی سرپرستی میں کام کرتی تھی، لہذا انگریز مستشرقین اور محققین کا اسلوب تدوین ہی چلتا رہا اور ایک مدت تک برّصغیر میں تصحیح کی انگریزی روایت باقی رہی۔ البتہ اگر کسی کتاب کا ایک ہی مخطوطہ ملتا تو قیاسی تصحیح سے کام لیا جاتا۔ اس کے برخلاف یعنی کسی کتاب کے زیادہ نسخے ہونے کی صورت میں اس میں سے قدیم تر نسخہ کو بنیاد بنانا اور دیگر نسخوں سے مقابلہ کرنے کا طریقہ بھی رائج رہا ہے۔

ایرانی: [برّصغیر میں] تصحیح و تدوین کے میدان میں کون لوگ نام ور رہے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: پاکستان میں مولوی محمد شفیع اور سید حسام الدّین راشدی اور ہندوستان میں پروفیسر نذیر احمد اور سید امیر حسن عابدی قابل ذکر ہیں۔ ان سے پہلے کے دور میں مولوی ہدایت حسین مرحوم کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی زیرنگرانی اور تصحیح کے ساتھ بہت سی کتب ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال سے چھپی ہیں۔ پٹنہ کے قاضی عبدالودود؛ اور اسی طرح ان سے قبل کئی اور نام جو اس سوسائیٹی کے لیے خدمات انجام دیتے رہے، قابل ذکر ہیں۔ لیکن اب یہ سوسائیٹی ہندوستان میں پہلے کی طرح فعال نہیں رہی۔ مراکز نے وسعت اختیار کر لی ہے اور وہاں تصحیح و اشاعت کے مقاصد کے پیش نظر کئی دیگر ادارے بھی قائم ہو گئے ہیں۔ پٹنہ میں خدا بخش لائبریری بلاشبہ فارسی کتب کی اشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے لیکن ان کے ہاں زیادہ تر قلمی نسخوں کی عکسی اشاعت کا رجحان رہا ہے اور سوائے ایک آدھ کتاب کے باقی کتابوں کے ایڈیشن تنقیدی نہیں ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور رضا لائبریری رام پور بھی فارسی متون کی اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

ایرانی: کیا ان یونیورسٹیوں میں اشاعتی شعبے بھی ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں شعبۂ مطبوعات ہے۔ بلکہ ہر شعبے میں اشاعت کتب کے لیے بجٹ مختص کیا جاتا ہے جس کے مصرف سے اس

مضمون سے متعلق کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔مثلاً شعبۂ تاریخ، تاریخی متون اور شعبۂ فلسفہ، فلسفہ سے متعلق کتب شائع کرتا ہے۔

ایرانی: طلبہ کے تھیسز میں تصحیح متون کو اپنے مقالے کے لیے بطور موضوع منتخب کرنے کا رجحان کس قدر ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: سَندی مقالوں کے لیے زیادہ تر تصحیح متون کو ہی موضوع بنایا جاتا ہے۔لیکن افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں لکھے جانے والے اکثر سَندی مقالات تحقیق و تصحیح کے اصولوں پر پورے نہیں اترتے۔طلبہ جب یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہیں تو انھیں مخطوطات اور ان کی تصحیح سے کوئی واقفیت اور دل چسپی نہیں ہوتی وریہی ان کا کمزور پہلو ثابت ہوتا ہے۔

رحیمی ریسہ: دیکھنے میں آیا ہے کہ آج کل برّصغیر میں قدیم متون کی اشاعت کے لیے بیشتر رجحان تنقیدی اشاعت کی بجائے عکسی طباعت کی جانب ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ اس صورت حال میں روز بروز اضافہ ہوتا نظر آرہا ہے، یوں لگتا ہے ایک دن برّصغیر میں صرف عکسی اشاعت رہ جائے گی۔کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ برّصغیر میں فارسی رو بہ زوال ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جن متون کی عکسی اشاعت کی جاتی ہے وہ قلمی نسخوں کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔

رحیمی ریسہ: یعنی ہمیشہ مخطوطات کی اہمیت کے پیش نظر ان کی عکسی چھپائی کی جاتی ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: میرے خیال میں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔نسخہ اہم تھا لہذا اس کی عکسی طباعت کی گئی۔بعض اوقات نسخے کا خط بہت عمدہ ہوتا ہے خواہ وہ زیادہ پرانا نہ ہو، لیکن خط عمدہ ہونے کی وجہ سے عکسی طباعت کر دی گئی۔کبھی کبھار نسخے کا کاتب یا مالک بہت اہم شخصیت ہوتی ہے، مثلاً **کشف المحجوب**، جو لاہور سے عکسی شکل میں چھپی، اس کے سرورق پر ناشر نے ''بہ خط مؤلف'' کے الفاظ تحریر کیے ہیں، جب کہ یہ مؤلف کا خط نہیں ہے، بلکہ ان سے منسوب کیا گیا ہے۔لاہور ہی سے شائع ہونے والی ایک اور **کشف المحجوب** کے سرورق پر یہ عبارت تحریر تھی ''براساس نسخۂ خطی بہ قلم بہاالدّین ذکریا[کذا] ملتانی''۔بہاءالدّین زکریا ملتانی ساتویں صدی ہجری میں سلسلۂ سہروردیہ کے ایک بزرگ گذرے ہیں لیکن اس نسخے کے خط سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی کتابت گیارہویں صدی میں ہوئی ہے۔کہنے کا مطلب یہ کہ بعض اوقات ایسی منسوب چیزیں بھی عکسی طباعت کا باعث بنتی ہیں۔لیکن زیادہ تر اس کی وجہ خط کی قدرو قیمت یا قدامت ہی ہوتی ہے تدوینِ متون[تنقیدی بنیادوں پر] وہاں ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔شاید ایسے کاموں کی یہاں خبریں نہیں پہنچتی۔وہاں کئی ادارے اور مراکز، فارسی متون کی اشاعت کرتے رہتے ہیں۔اسی مرکز تحقیقات فارسی کی ہی مثال لیجیے، تنقیدی اور تصنیفی کتب کے علاوہ ہر سال چند فارسی متون یہاں سے ضرور شائع کیے جاتے ہیں۔دیگر اشاعتی اداروں میں بھی یہی صورت حال ہے۔

ایرانی: کیا[یونیورسٹی] طلبہ کے سَندی مقالات[تھیسز] یا شائع شدہ فارسی متون کی کوئی فہرست موجود ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، ہندوستان اور پاکستان میں پی ایچ ڈی اور ایم اے کے لیے لکھے گئے مقالات کی فہرستیں تیار ہوئی ہیں اور مختلف مجلّات میں شائع ہوئی ہیں۔حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کے دو اساتذہ، ڈاکٹر نجم الرشید اور ڈاکٹر محمد صابر نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں لکھے جانے والے پی ایچ ڈی، ایم فل اور ایم اے کے مقالات کی فہرست تیار کی ہے جو بہت

جلد تہران سے شائع ہوگی۔

کیان فر: دنیا میں ہر جگہ بعض قلمی نسخوں کو عکسی صورت میں طبع کیا جاتا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اس طرح طبع شدہ نسخے دوبارہ تدوین کے لیے کس قدر توجہ حاصل کرتے ہیں؟ کیا یہ عکسی نسخے خود اصل ماخذ یا قدیم ترین نسخے کے طور پر قابل استفادہ ہیں یا صرف نسخہ بدل ہی قرار پاتے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: مرکز تحقیقات فارسی اسلام آباد نے رشید الدّین فضل اللہ کی کتاب **اَسکولہ واَجوبہ** کے ایک قلمی نسخے کا فیکسی میل ایڈیشن نکالا ہے۔ یہ نسخہ اپنے طرز خط، قدامت خط اور لکھائی میں استعمال ہونے والے رنگوں کی وجہ سے اہم ہے۔ کاتب نے اس نسخے میں سات رنگوں کا استعمال کیا ہے، مثال کے طور پر اس نے التزام رکھا کہ عنوانات کے لیے سرخ رنگ، احادیث کے لیے نیلا، آیات کے لیے سبز اور فارسی متن کے لیے کوئی اور رنگ استعمال کرے۔ لیکن طباعت صرف دو رنگی ہوئی ہے یعنی سرخ اور سیاہ اور بقیہ رنگ اس ایڈیشن میں نہیں آئے۔ مقدمہ میں اس امر کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ بعد میں اسے ٹایپ پر بھی شایع کیا گیا۔

ایرانی: کیا اسی فیکسی میل نسخے کو ٹائپ میں چھاپا گیا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، اسی نسخے کو کمپوز کیا گیا ہے۔

ایرانی: یعنی یہ نسخہ آرٹ کے نقطۂ نظر سے اس قدر اہم تھا کہ اس کی عکسی طباعت کی گئی؟

ڈاکٹر نوشاہی: ایسا خط کی اہمیت بنا پر ہوا۔ ممکن ہے آرٹ بھی ایک وجہ ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ یہ نسخہ ربع رشیدی [تبریز] میں کتابت شدہ ہو اور وہاں سے یہ نسخہ اب نکل کر کہیں اور جا پہنچا ہے؟ بہر حال خط کے لحاظ سے یہ نسخہ بہت قدر و قیمت کا حامل ہے۔ ایک اور قلمی کتاب جو مرکز تحقیقات فارسی سے ہی عکسی چھپی، ساتویں صدی ہجری میں ماوراء النہر میں تألیف شدہ **تکملۃ الاصناف** نامی ایک فرہنگ ہے۔ یہ فرہنگ قدامت کے لحاظ سے بہت اہم ہونے کے باوجود ایران میں وہ توجہ نہ پا سکی، جو اس کا حق تھا۔ [اب ڈاکٹر علی رواقی نے اسے مرتّب کر کے تہران سے شایع کر دیا ہے]

انوشہ: فارسی مخطوطات کی ایک کثیر تعداد نجی ملکیت میں ہے۔ حکومت ہندوستان و پاکستان یا خود حکومت ایران کی طرف سے کوئی ایسی کوشش ہوئی ہے کہ ان مخطوطات کو لوگوں سے خرید کر ایک جگہ جمع کیا جائے اور انھیں تلف ہونے سے بچایا جائے؟

ڈاکٹر نوشاہی: ہندوستان اور پاکستان میں خطی نسخوں کی حفاظت کے لیے حکومت کے قائم کردہ ادارے موجود ہیں۔ پاکستان میں مرکز تحقیقات فارسی کے قیام کا اصل مقصد اس علاقے، یعنی پاکستان میں موجود مخطوطات کو اکٹھا کرنا اور ان کی حفاظت ہے۔ اس مرکز کے قیام سے کئی افراد یا نجی کتب خانوں کے مملوکہ مخطوطات کی یہاں منتقلی ممکن ہوئی۔ لیکن مرکز یا خود حکومت ان افراد سے اپنے مملوکہ مخطوطات کو ان کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ پاکستان میں خاندان ایسے مخطوطات کو اپنے اجداد کی نشانیاں اور اپنے خاندان کا تشخص سمجھتے ہیں، لہٰذا انھیں کسی اور کے حوالے کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے۔ مثلاً میرے اپنے خاندان -نوشاہیہ- میں تقریباً ۵۰۰ مخطوطات موجود ہیں۔ میں نے بارہا وارثوں کو ان مخطوطات کو کسی یونیورسٹی، قومی لائبریری یا قومی ادارۂ دستاویزات کے حوالے کرنے کی تجویز دی ہے، کیونکہ مزید دس بیس

سال کے بعد یہ قلمی نسخے یقیناً ضائع ہو جائیں گے، لیکن وہ لوگ آمادہ نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اجداد کی نشانی ہیں، ہماری پہچان ہیں، اگر یہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے تو ہماری شناخت ختم ہو جائے گی!! ۔ دیگر افراد بھی ایسے ہی خیالات و نظریات رکھتے ہیں لہذا نجی ملکیت کے تمام مخطوطات کو حکومتی لائبریریوں تک منتقل کرنا ناممکن ہے۔

انوشہ: سننے میں آیا ہے کہ برّصغیر کی حکومتیں اس کوشش میں ہیں کہ تمام اہم فارسی کتب کو ایک مرتبہ اردو، انگریزی یا ہندی میں ترجمہ کر لیا جائے اور پھر فارسی کتب سے لاتعلقی اختیار کر لی جائے یا ان مخطوطات سے ہاتھ دھو لیے جائیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: تراجم تو یقیناً وہاں ہو رہے ہیں۔ انہی حکومتوں کی زیر نگرانی یہ کام پہلے بھی ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے لیکن اس کی غرض و غایت ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد ان مخطوطات سے نجات حاصل کر لی جائے۔ بلکہ انہی حکومتوں کی زیر سرپرستی خطی نسخوں کی حفاظت اور احیاء کے لیے نہ صرف ادارے قائم ہیں بلکہ خصوصی بجٹ بھی مختص کیا جاتا ہے جس سے نسخے خریدے اور اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ جہاں تک ترجمے کا سوال ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب عامۃ الناس فارسی متون سے استفادہ نہیں کر پاتے۔ لہذا اردو یا مقامی زبانوں، حتیٰ انگریزی میں یہ تراجم ناگزیر ہیں تاکہ سب لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔

رحیمی ریسہ: جیسا کہ ایران میں ہو رہا ہے کہ ذاتی ذخائر کتب، بلکہ بعض اوقات سرکاری بھی، حصّے بخرے کر کے بیچ دیے جاتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نسخے بیرون ملک پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ کیا پاکستان میں بھی ایسا ہو رہا ہے؟ اس وقت برونائی، ملائیشیا اور بعض دیگر ثروت مند ممالک میں دو تین مراکز ایسے ہیں جو اپنے ذخائر مخطوطات پاکستان اور ہندوستان سے تیار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، ملائیشیا اور برونائی کی جہاں تک بات ہے، یہ لوگ باقاعدگی سے پاکستان آتے ہیں اور خطی نسخے یہاں سے اکٹھے کر کے لے جاتے ہیں۔ اس وقت ملائیشیا میں موجود بہت سے مخطوطات پاکستان سے حاصل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح برونائی کے مفتی اعظم [کے ادارے] نے اپنے ہاں ایک کتب خانہ قائم کیا ہے جس کے لیے انھوں نے کچھ قلمی نسخے پاکستان سے حاصل کیے ہیں۔

رحیمی ریسہ: آپ کے خیال میں اب تک کس قدر مخطوطات باہر منتقل کیے جا چکے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: میرے اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار یا شاید اس سے بھی زیادہ تعداد میں قلمی نسخے برونائی اور ملائیشیا لے جائے گئے ہیں۔ ان دو ممالک کے علاوہ کویت اور سعودی عرب کو بھی مخطوطات منتقل ہوئے ہیں۔ یعنی پاکستان اب مخطوطات کی ایک گذرگاہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہاں وسطی ایشیا اور افغانستان سے مخطوطات آتے ہیں، کچھ تعداد یہاں رہ جاتی ہے اور باقی دیگر ممالک کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

ایرانی: برّصغیر اور وسطی ایشیا میں فارسی زبان کے تاریخی پس منظر کو سامنے لانے کی غرض سے ہم نے ان علاقوں سے متعلق بعض کتب شائع کی ہیں۔ صفوی دور سے متعلق **تذکرۂ حزین لاہیجی** ہم نے چھاپا ہے۔ اسی طرح **القند فی ذکر علماء سمرقند**، **تذکرۂ مطربی سمرقندی**، **تذکرۂ مقیم خانی** وغیرہ۔ ان میں سے بعض کی خوب پذیرائی ہوئی ہے۔ کچھ تذکرے مثلاً **نشتر عشق** اور والہ

داغستانی کا **ریاض الشعرا** زیر اشاعت ہیں۔ **تذکرۂ مطربی** تو ہاتھوں ہاتھ بکا اور کتابوں کی نمایشگاہ میں **ترجمۂ اناجیل** کے بعد سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب ثابت ہوئی، لہذا اب اسے دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ آپ کے خیال میں صفوی عہد یا اس سے قبل اور بعد کے ادوار میں تذکرہ نویسی کو اس قدر اہمیت کیوں دی گئی؟ ان تذکروں کا محققین کی خاص توجہ کا مرکز قرار پانے کی وجوہات کیا ہیں؟ کیا محققین چاہتے ہیں کہ تذکروں کے ذریعے اُس دور میں فارسی زبان کی کیفیت اور فارسی شعراء سے وسیع پیمانے پر آگاہی اور تعلق پیدا کریں؟

ڈاکٹر نوشاہی: ایک فلسفیانہ یا فکری متن کی اشاعت سے فقط ایک فکر کا ہی احیا ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ ایک تذکرہ چھاپتے ہیں تو اس کے توسط سے ہزاروں افراد زندہ ہو جاتے ہیں اور شاید ان ہزاروں افراد سے مزید دس ہزار افراد کو دل چسپی ہو۔ علاوہ ازیں تذکروں میں کچھ ایسے تہذیبی اور تاریخی نکتے پوشیدہ ہوتے ہیں جن سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔

ایرانی: تذکرہ نویسی کی ترویج کی وجوہات کیا ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: تذکرہ نویسی کو زیادہ رواج برّصغیر میں ہی ملا۔ وہاں جو ادبی تحریکیں اور رجحانات جاری تھے وہ باعث بنے۔

ایرانی: یعنی یہ ادبی تحریکیں اور رجحانات اس قدر وسعت کے حامل تھے کہ ان کے ابلاغ کے لئے دانشوروں نے متواتر تذکرہ نویسی کی؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، نہ صرف یہ کہ تذکرے لکھے گئے بلکہ برّصغیر میں ادبی تنقید کا جو رجحان جاری تھا وہ بھی تذکروں میں داخل ہوا۔ لہذا یہ تذکرے صرف حالات زندگی پر ہی مشتمل نہیں ہیں بلکہ ادبی تنقید بھی ان میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ایک تذکرہ جو ہنوز طبع نہیں ہوا اور اسے ترجیحی بنیادوں پر چھاپا جانا چاہیے، سراج الدّین علی خان آرزو کا **مجمع النفائس** ہے، جو نہ صرف شعراء کے احوال پر مشتمل ہے بلکہ تنقیدی نقطۂ نظر سے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے ملک کے دانشوروں کی رائے کی مطابق دو تذکرے یعنی **ریاض الشعراء** اور **مجمع النفائس**، ایسے ہیں جن کی اشاعت کے بغیر برّصغیر کی ادبی تاریخ رقم کرنا ممکن نہیں ہے۔ خوش قسمتی سے **ریاض الشعراء** کی پہلی جلد ہندوستان سے چھپ چکی ہے اور یہ مرکز نشر مکتوب [تہران] سے بھی اشاعت پذیر ہونے والا ہے۔ آپ کے ادارے کو **مجمع النفائس** کی اشاعت پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

رحیمی ریسہ: کیا اس تذکرے پر اب تک کام نہیں ہوا؟

ڈاکٹر نوشاہی: محترمہ زیب النساء نے تہران یونیورسٹی سے اسی تذکرے میں الف کی پٹی کے شعرا پر کام کیا ہے۔ تہران یونیورسٹی میں یہ ان کا پی ایچ ڈی مقالہ تھا۔ لیکن پاک و ہند میں اس تذکرے کے مکمل نسخے موجود ہیں اور کام ہوسکتا ہے۔ قبل ازیں پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد باقر نے اس پر کام کیا تھا جو چھپ نہیں سکا۔ اب نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے دو اساتذہ ،ڈاکٹر مہر نور محمد خان اور ڈاکٹر محمد سرفراز ظفر نے اسکی تصحیح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شاید مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد سے یہ کتاب شائع ہو جائے [اب تین جلدوں میں شایع ہو گیا ہے]۔

ایرانی: تذکرۂ **عرفات العاشقین** کو بھی مشہد میں مرحوم صاحبکار نے تدوین کیا ہے۔

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، **عرفات العاشقین** بھی ان اہم تذکروں میں سے ایک ہے جو ہنوز طبع نہیں ہوا [اب ۲۰۰۹ء میں محسن ناجی نصر آبادی

کے اہتمام سے انتشارات اساطیر، تہران نے ۸ جلدوں میں شایع کر دیا ہے]۔ **مجمع النفائس** اور **ریاض الشعراء** بھی مکمل طور پر طبع نہیں ہوئے۔ **ریاض الشعراء** کی ایک جلد جو ہندوستان سے چھپی ہے صرف شعرا کے حالات زندگی پر مشتمل ہے جب کہ ان کا کلام حذف کر دیا گیا ہے۔ جب تک یہ تذکرے شایع نہ ہو جائیں برّصغیر کی تہذیب و ادب کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ [اب **ریاض الشعراء**، بہ اہتمام محسن ناجی نصر آبادی، تہران سے ۵ جلدوں میں شایع ہو گیا ہے]

انوشہ: پی ایچ ڈی کے ایک طالب علم نے **سفینۂ خوش گو** کی تصحیح کی ہے، لیکن بدقسمتی سے اسے بھی تا حال کوئی ناشر میسر نہیں آ سکا۔

ڈاکٹر نوشاہی: مرکز پژوہش کتاب خانہ مجلس نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لے لی ہے۔ یہ کام دو ہندوستانی طلبہ نے کیا ہے۔ ایک نے دفتر اوّل پر کام کیا، جو مکمل ہو چکا ہے اور دوسرا طالب علم دفتر دوم پر کام کر رہا ہے۔ جب کہ اس کا تیسرا دفتر پہلے ہی شائع ہو چکا ہے۔ اس طرح یہ تذکرہ مکمل ہو جائے گا۔ یہاں سے شائع ہونے والے بعض متون وہی ہیں جو اس سے قبل ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال سے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انہی متون کو دوبارہ کمپوز کر کے سرورق پر ''بہ تصحیح فلاں'' کی عبارت لکھ دی جاتی ہے، یعنی جس نے کمپوزنگ کی وہی مصحح قرار پاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ صحیح طریق کار نہیں ہے۔ اسے تصحیح کا نام دینا درست نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ سوسائیٹی کا طبع شدہ نسخہ اور چند دیگر قلمی نسخے آپ کے سامنے ہوں اور ان کا تقابل کیا جائے۔ ہندوستان میں شائع شدہ ایک نسخے کو از سرِ نو کمپوز کرنا کسی طور تصحیح نہیں کہا جا سکتا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ کام کا معیار بہتر ہونے کی بجائے پہلے سے بدتر ہو گیا ہے، بلکہ مزید اغلاط بھی داخل ہو گئی ہیں۔ میں نے جو کتب دیکھی ہیں، ان میں بداؤنی کی **منتخب التواریخ** بھی ہے، اس کی ایرانی اشاعت غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔

انوشہ: کیا آپ نہیں سمجھتے کہ بعض کتب مثلاً **منتخب التواریخ** بداؤنی، **اکبرنامہ**، **آئین اکبری** وغیرہ کو، جن کا شمار برّصغیر کے اہم تاریخی متون میں ہوتا ہے، ایک مرتبہ پھر ایران سے چھپنا چاہیے؟

ڈاکٹر نوشاہی: انھیں ایران سے ضرور شائع ہونا چاہیے لیکن یہاں کوئی ایسا فرد نہیں جو انھیں مرتّب کرے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایران میں برّصغیر سے آگاہی اور مطالعات کی سطح وہ نہیں ہے جو برّصغیر میں ایرانی مطالعات کی ہے۔ یعنی برّصغیر سے متعلق آپ کی معلومات، ہماری ایران کے متعلق معلومات سے نسبتاً کم ہیں۔ اب تک یہاں برّصغیر کے متون کی تدوین کی جانب مناسب توجہ نہیں دی گئی اور جو کتب تدوین ہوئی ہیں ان کا معیار بھی تسلی بخش نہیں ہے۔ شیر علی خان لودھی کے تذکرہ **مرآت الخیال** کو ہندوستان سے طبع شدہ نسخے سے یہاں دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ اسی طرح **فوائد الفواد** کو لاہور ایڈیشن سے دوبارہ کمپوز کیا گیا ہے میں نے مجلّہ **آینہ میراث** میں پڑھا ہے کہ ڈاکٹر توسلی **طبقات اکبری** کو ایران میں مرتّب کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بھی اس سے قبل ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال سے شائع ہو چکی ہے۔

رحیمی ریسہ: [ایران سے طبع ہونے والی کتب میں] برّصغیر کے خاص اسماء جس صورت میں لکھے جاتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر نوشاہی: ایران سے شائع شدہ کتب میں سب سے بڑی خامی جو نظر آتی ہے، وہ برّصغیر کے خاص اسماء کا اندراج ہے۔ افراد اور شہروں کے ناموں میں عموماً غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایران سے شایع ہونے والے انسائیکلو پیڈیاوں

جنھیں اس خامی سے مبرّا ہونا چاہیے تھا، ان میں بھی برّصغیر کے خاص اسماء درج کرنے میں بہت سی اغلاط دیکھنے میں آئی ہیں۔

ایرانی: صفوی عہد اور دیگر ادوار کے تاریخی متون کی اشاعت سے ہمارا [دفتر نشر میراث مکتوب] اور دیگر ناشروں کا مقصد، اصل مآخذ کو منظر عام پر لانا ہے۔ کیوں کہ ان کتب میں اسماء الرجال اور معلومات ہیں جن سے محققین رجوع کر سکتے ہیں۔ برّصغیر کے محققین میں سے مولوی محمد شفیع اور چند اور لوگوں کو چھوڑ کر جو واقعی علمی لحاظ سے فن تدوین کے استاد ہیں، وہاں کتنے لوگ ایسے ہیں جو تدوین متون کرتے وقت حواشی و تعلیقات نویسی اور متعلقہ معلومات کو کھول کر بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؟ یعنی وہ کام جو ایک ایرانی کرنے سے قاصر ہے، کیا ایک ہندی محقق کرتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی بالکل، اگر آپ یہ کام ڈاکٹر نذیر احمد یا پروفیسر عابدی کے سپرد کریں تو وہ یہ کام کریں گے۔

ایرانی: اس کے علاوہ، وہ طلبہ جو تھیسز کے طور پر تدوین متون کا کام کرتے ہیں، کیا تعلیقات و حواشی لکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نوشاہی: نہیں، یہ طلبہ کے بس کا روگ نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ طالب علم تحقیق کے دوران ہی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی قلمی نسخے کو چھوتا ہے، اس سے آشنا ہوتا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں اس پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ طلبہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک کام کریں، ڈگری لیں اور چلتے بنیں۔ میری رائے میں طلبہ کے مقالوں کو نظر ثانی کیے بغیر شائع کرنا بھی درست عمل نہیں ہوگا۔

ایرانی: کیا وہاں طلبہ کے سندی مقالات کی اشاعت کے لیے ناشرین کی جانب سے کوئی اہتمام کیا جاتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: وہاں [سرکاری اشاعتی اداروں میں] اردو اور فارسی سندی مقالات بعد از نظر ثانی شایع کیے جاتے ہیں۔ فارسی مقالات، مرکز تحقیقات فارسی کے زیر اہتمام شائع ہوتے ہیں لیکن پرائیویٹ ناشر ایسا کم ہی کرتے ہیں۔

ایرانی: کیا اس کی وجہ فارسی زبان کی مقبولیت میں کمی ہے؟ یعنی قاری میسر نہیں رہا؟

ڈاکٹر نوشاہی: قاری تو ہے لیکن مارکیٹ نہیں ہے۔ فارسی کتب کی خرید کی سکت نہیں ہے۔ وہاں صرف ایک مخصوص حلقہ ہے جو ان کتب کا خریدار ہے۔ دیوان حافظ، مولانا روم کی کتب [**مثنوی، دیوان شمس**]، **گلستان** اور **رباعیات عمر خیام** جیسی کتب کے لیے تو خریدار مل جاتے ہیں لیکن علمی و تحقیقی کتب کے لیے نہیں۔ مثلاً یہی کتاب ''جہان دانش'' [جو ابھی مرکز نشر میراث مکتوب نے شایع کی ہے] اگر وہاں بازار میں فروخت کے لیے رکھی جائے تو میرا نہیں خیال کہ دس سے زیادہ لوگ اس پر توجہ کریں۔

انوشہ: حال ہی میں تہران سے **تاریخ الفی** کا متن شایع ہوا ہے، کیا آپ کی نظر سے یہ کتاب گذری ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی، لیکن میں نے اسے صرف کتابوں کی دکان پر شیلف میں دیکھا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کس معیار کا کام ہوا ہے۔

انوشہ: آٹھ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب انتشارات فرہنگی و علمی کی طرف سے شائع ہوئی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب اشاریوں کے بغیر ہے لہذا اس سے عملی طور پر استفادہ ناممکن ہے۔

ڈاکٹر نوشاہی: اگر اس میں اشاریہ ہی نہیں ہے تو ان آٹھ جلدوں سے حاصل؟

انوشہ: اس پر بہت سے اعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔ میں نے بھی ناشر کو یہ تجویز دی ہے کہ اشاریوں پر مشتمل ایک جلد مزید چھاپی جائے۔

ایرانی: جیسا کہ کہا گیا، اس نوعیت کی تدوین متون کے لئے بازاری طباعت کا رواج ایران میں پایا جاتا ہے۔ دنیا کا ایک معتبر ادارہ جسے ''بنیادفرہنگ'' کی جانشینی کا دعویٰ ہے وہ یہ کام کر رہا ہے۔ بازاری طباعت کا ہندوستان میں رجحان کس قدر ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: وہاں بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً بعض خاندان اپنے خاص خاندانی متون خود چھاپتے ہیں۔ ان اداروں کے علاوہ، جن کا میں نے پہلے ذکر کیا، کچھ افراد اور خانوادے ایسے بھی ہیں جو اپنے خاندانی ورثہ کی بقا کے لیے، اپنے ذاتی سرمائے سے، انفرادی طور پر ان متون کی اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

کیان فر: برّصغیر میں پائی جانے والی فارسی کتابیں کس تاریخی عہد کی ہیں؟ یعنی ان میں سے زیادہ تر کس دور میں تصنیف یا کتابت ہوئیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: یقیناً مغلیہ دور میں سب سے زیادہ کتب تألیف ہوئیں۔ یعنی اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور عالمگیر کا عہد۔

رحیمی ریسہ: کیا مارشل کی کتاب [*Mughals in India*] اسی دور سے متعلق ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، ان چار تیموری بادشاہوں کے عہد میں بہت سی فارسی کتب تألیف ہوئی ہیں۔

کیان فر: وہاں قدیم ترین کتابت شدہ نسخہ کون سا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: یہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں محفوظ **شرح التعرف** کلاباذی کا نسخہ ہے جو ۴۷۳ھ میں کتابت کیا گیا۔ **الابنیہ عن حقائق الادویہ** [مخزونہ شاہی کتب خانہ، ویانا، آسٹریا جس کا عکس اب مرکز پژوہشی میراث مکتوب سے شایع ہو گیا ہے] کے بعد دنیا کا دوسرا قدیم ترین نسخہ ہے۔

ایرانی: ہندوستان میں فارسی زبان کا آغاز کس دور میں ہوا اور کون سا زمانہ اس کے عروج کا زمانہ کہلاتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: پانچویں صدی ہجری میں غزنویوں کی ہند میں آمد سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور تیموری دور کو بلاشبہ اس کا عہد عروج قرار دیا جا سکتا ہے۔

انوشہ: مغل حکمرانوں نے تاریخ نویسی کو بہت اہمیت دی ہے، ۔ان کے اسی شوق اور دلچسپی کے باعث برصغیر کی اہم ترین تاریخی کتب مغلیہ عہد میں تألیف ہوئیں۔ ایران میں بھی یہی کام ہوا۔ چنانچہ ہماری معتبر ترین تاریخی کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں مثلاً **جامع التواریخ**، **منتخب التواریخ** اور **تاریخ جہانگشا** سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل حکمرانوں کی گذشتہ تاریخ سے دلچسپی زیادہ تھی۔

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں۔ چونکہ اس وقت موضوع گفتگو برّصغیر میں فارسی زبان کا رواج ہے لہذا یہاں یہ کہنا نہایت مناسب ہوگا کہ **دانش نامۂ ادب فارسی**، جو برّصغیر سے متعلق تین جلدوں میں انوشہ صاحب کی زیرنگرانی تیار ہوا ہے، بجائے خود اس علاقے میں فارسی کے رواج پر ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔ بلاشبہہ انوشہ صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے یہ کام کیا جس کی ضرورت تھی۔ ابھی تک پاک و ہند میں اس نوعیت کا کوئی انسائیکلوپیڈیا مرتّب نہیں ہوا۔ پاکستان میں تو اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے

کہ تمام یونیورسٹیوں میں کسی طالب علم کی تحقیق اس دانش نامہ سے رجوع کیے بغیر تکمیل نہیں پاتی۔اب یہ انوشہ صاحب، پاک و ہند کے دیگر تحقیقی اداروں یا حکومت ایران کا فریضہ ہے کہ اس کام کو جاری رکھیں اور تکمیل تک پہنچائیں۔انوشہ صاحب نے اپنی لگن اور جانفشانی سے ایک قابل تقلید نمونہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے جس کے لیے ہم واقعی ان کے احسان مند اور شکر گزار ہیں۔پاکستانی یونیورسٹیوں میں فارسی زبان وادبیات کے ہر طالب علم کے تحقیقی مقالہ میں دیا گیا پہلا حوالہ ان کے نام سے ہی ہوتا ہے مثلاً، حسن انوشہ، صفحہ نمبر فلاں۔

ایرانی: ان کی خدمات کے اعتراف کے لیے مناسب ہوگا کہ آپ پاکستان میں ایک تقریب کا اہتمام کریں۔

ڈاکٹر نوشاہی: میں نے ڈاکٹر سلیم مظہر، صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور کو، جو ان کے دوست بھی ہیں، یہ تجویز دی تھی کہ انوشہ صاحب کو وہاں دعوت دی جائے اور ان کی قدر دانی اور خدمات کا اعتراف کیا جائے۔اگر حکومتی سطح پر یہ ممکن نہ ہو تو یونیورسٹی کو یہ کام کرنا چاہیے۔

ایرانی: یونیورسٹی کے لوگ اور اس انسائیکلوپیڈیا سے استفادہ کرنے والے بیشتر طلبہ یقیناً ان سے ملاقات کے خواہش مند ہوں گے۔اگر آپ ایسا کوئی اہتمام کرتے ہیں تو یہاں وزارت فرہنگ وارشاد سے گفت وشنید کے ذریعے آپ کو اس ضمن میں سہولیات مہیا کی جاسکتی ہیں۔

ڈاکٹر نوشاہی: میں اس سے قبل بھی یہ تجویز دے چکا ہوں اور اب واپسی پر سنجیدگی سے دوبارہ یہ موضوع زیر بحث لاوں گا۔واقعی ان کا ہم پر بہت حق ہے۔[فروری ۲۰۰۵ء میں جناب حسن انوشہ کی پنجاب یونیورسٹی میں پذیرائی کی تقریب منعقد ہوئی۔]

ایرانی: پاکستان میں انسائیکلوپیڈیا نگاری کو کیا مقام حاصل ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں اس کام کو اہمیت حاصل ہے۔انوشہ صاحب کو چاہیے کہ وہاں آئیں اور نزدیک سے اس کا مشاہدہ کریں۔

کیان فر: تدوین کا کام عموماً انفرادی صورت میں ہوتا ہے۔فرد واحد ہی ہمت کرتا اور تدوین واحیاے متون کا بیڑا اٹھاتا ہے۔بہت کم ایسا ہوا ہے کہ دو یا تین افراد نے مل کر کام انجام دیا ہو۔کیا برّصغیر میں یہ انفرادی طور پر ہوتا ہے یا بڑی کتابوں کی تدوین کے لیے زیادہ تر رجحان اجتماعی صورت کی جانب ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: وہاں بھی زیادہ تر تدوین متون انفرادی حیثیت میں ہوئی ہے۔مل جل کر تدوین کرنے کا رواج کم تر ہی دیکھا گیا ہے۔بعض دیگر تحقیقی منصوبوں میں البتہ اجتماعی صورت دیکھی گئی ہے لیکن تدوین کے معاملے میں ایسا کم ہی ہوا ہے۔ممکن ہے استثنائی صورتوں میں دو افراد نے مل کر تدوین متون کا کام کیا ہو۔

کیان فر: حقیقت یہ ہے کہ کلاسیک متون کا بازار آہستہ آہستہ مندا ہوتا جا رہا ہے۔اس کی وجہ نوجوان نسل کے پاس جدید ٹیکنالوجی اور وسائل کا ہونا ہے۔نوجوانوں کا رجحان سادہ نثر کے مطالعہ کی طرف ہے جس کا فہم وادراک ان کے لیے آسان ہو۔نتیجہ کے طور پر کلاسیک ادب اپنی اہمیت بتدریج کھو رہا ہے۔کیا برّصغیر میں ان متون کے لیے کوئی خاص منصوبہ بندی کی گئی ہے؟ اصول تحقیق وتدوین کے لیے کلاسز یا کورسز کا اہتمام ہے یا تحقیق کے دوران ہی مختصراً اس سے آگاہ کر دیا جاتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: پاکستانی یونیورسٹیوں، بالخصوص پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اصول تحقیق کے کورسز میں تدوین متن سکھانے کے بھی یونٹ ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے طلبہ کے لیے چند فارسی کورسز لازم قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ فارسی کے بغیر اردو زبان سیکھنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اصول تحقیق بھی سیکھتے ہیں۔ بہرحال اب ان یونیورسٹیوں میں اصول تحقیق اور تدوین متن کی طرف توجہ ہے۔

رحیمی ریسہ: [مخطوطات کی] فہرست نگاری کے لیے بھی کورسز ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: نہیں۔

کیان فر: تدوین کی جانب توجہ صرف پنجاب یونیورسٹی کا ہی خاصہ ہے یا برّصغیر کی تمام یونیورسٹیوں میں یہ تدریسی طریقۂ کار رائج ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: پاکستانی یونیورسٹیوں میں طلبہ وطالبات تھیسز لکھتے وقت زیادہ تر تدوین متون کا انتخاب کرتے ہیں۔ جب ان کے اساتذہ نے دیکھا کہ یہ تو کچھ نہیں جانتے کہ تدوین متن کیا چیز ہے، تو تحقیقی اصول وطریقۂ کار سے روشناس کرانے کے لیے کورس ورک ناگزیر ہوگیا تاکہ اس اہم کام کو انجام دینے سے پہلے کم از کم بنیادی تحقیقی ضروریات سے واقفیت تو ہوجائے۔

کیان فر: یہ کورس ورک لازمی ہے یا اختیاری؟

ڈاکٹر نوشاہی: ایم۔اے میں لازمی نہیں، لیکن ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر لازمی قرار دیا گیا ہے۔

انوشہ: نوجوان طبقے میں کلاسیک متون کی مانگ نہ ہونا ان کی ہمارے متون سے بے اعتنائی ہے۔ اصولی طور پر زبان سادگی کی طرف جارہی ہے تو فطری طور پر کلاسیک متون کی زبان کو وہ نہیں سمجھ پاتے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ قدیم متون کی تدوین کے وقت بھاری بھرکم، مشکل الفاظ نکال دیے جاتے ہیں۔ ایسی کتابیں چودہ پندرہ مرتبہ چھپی ہیں۔ مہدی یزدی جیسے مصنف جب [پرانی کتابوں کو نئے اسلوب میں ڈھال کر] ''اچھے بچوں کے لئے اچھی کتابیں'' لکھتے ہیں تو وہ تقریباً بیس مرتبہ چھپتی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری نوجوان نسل اپنے ماضی سے لاتعلق اور بے اعتنا ہرگز نہیں لیکن قدیم متون کی زبان ان کے لیے ناقابل فہم ہے۔

کیان فر: میرا اشارہ متون کی زبان کی طرف تھا، نہ کہ نوجوان نسل کی اس سے عدم دلچسپی کی طرف۔

انوشہ: انگلستان ہی کی مثال لیجیے، وہاں بھی جیفری چاسر اور شیکسپئر کی کتابیں فقط یونیورسٹی میں ہی پڑھائی جاتی ہیں۔ گھروں میں انہیں کوئی نہیں پڑھتا، صرف اس وجہ سے کہ ان کی زبان عام فہم نہیں ہے۔

کیان فر: ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ قدیم متون سے ناآشنا ہے۔ دیکھیے، ایک چیز ہے جسے ہم ''علمی ورثہ'' کہتے ہیں جو اس قوم کا تہذیبی تشخص ہے اور ہماری نوجوان نسل اس سے غافل ہرگز نہیں ہے۔ وہ ضرب الامثال، داستانیں اور اشعار یاد کرتے اور پڑھتے ہیں۔ خود ہمارے ادارے [مرکز نشر میراث مکتوب] نے ''اہل قلم'' نامی ایک ادارے کے تعاون سے قدیم متون کو سادہ طرز تحریر میں دوبارہ لکھنے کا آغاز کیا ہے۔ اگرچہ اس ادارے کے قیام کو دو تین سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گذرا، لیکن جن متون کو صاحب قلم لوگوں نے سادہ انداز میں تحریر کیا ہے، انھیں خوب پذیرائی ملی ہے

اور وہ مکرر چھپ رہے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ نوجوان ایرانی نسل کی اپنی تہذیب اور ماضی کی طرف توجہ ہے۔ لیکن ہمارا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ۔ یعنی ایم اے اور پی ایچ ڈی ڈگری یافتہ افراد۔ نہ صرف یہ کہ متون سے واقف نہیں اور ان سے دلچسپی نہیں رکھتے، بلکہ بدقسمتی سے انھیں سمجھنے سے بھی عاری ہیں۔ ہم ایسے شخص سے، جس نے ایٹمی توانائی کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہے، یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ **تاریخ بیہقی** کو پڑھے، لیکن جو طالب علم زبان وادبیات فارسی میں ایم اے کر رہا ہے، اگرچہ اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ یہ کتاب نصابی طور پر پڑھے، لیکن وہ بھی **تاریخ بیہقی** سے ناآشنا ہے، **جامع التواریخ** سے بیگانہ ہے اور عروضی کے **چہار مقالہ** کو سمجھنے سے قاصر ہے حالانکہ یہ سب کچھ ان کے نصاب کا حصہ ہے۔ میری مراد یہاں وہ طبقہ ہے، اپنی نوجوان نسل نہیں، جسے اپنی ثقافت سے گہری دلچسپی ہے اور سادہ زبان میں لکھے گئے پرانے متون کا بہت شوق سے مطالعہ کرتی ہے۔ درحقیقت یہ نوجوان قومی حمیت اور تہذیبی غیرت سے سرشار ہیں۔ مشکل وہاں ہے کہ ہمارا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ متون سے بیگانہ ہے اور اس کے مضمرات سے آنے والی نسلیں بھی متاثر ہوں گی۔

ڈاکٹر نوشاہی: یہاں موجود ان مسائل کا اطلاق برّصغیر پر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فارسی وہاں کی عوامی یا روزمرہ کی زبان نہیں ہے بلکہ اب ایک تہذیبی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب ہم اسے ایک تاریخی اور تہذیبی زبان کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے حفظ و بقا کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ایران میں مسائل کی نوعیت قدرے مختلف ہے۔ یہاں آپ ہر موضوع پر [فارسی] کتب چھاپ سکتے ہیں کیونکہ آپ کو قارئین میسر ہیں، لیکن وہاں صورت حال مختلف ہے۔ ہمارے بیشتر فارسی قارئین ادب، تاریخ اور تصوّف تک ہی محدود ہیں۔

انوشہ: ایران میں بعض لوگوں کو تشویش ہے کہ برّصغیر میں فارسی روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے اور رفتہ رفتہ معدوم ہو جائے گی، آپ کے خیال میں یہ تشویش کہاں تک بجا ہے؟ یقیناً ہر قوم اپنی تہذیب و ثقافت کے لئے فکرمند اور اپنے تہذیبی ورثے کی بقا کی متمنی ہوتی ہے۔ ہمارے تہذیبی سرمائے کا ایک حصہ برّصغیر میں موجود ہے۔ یہ نظریہ کس حد تک صحیح ہے کہ ''برّصغیر میں ہماری ثقافت بتدریج مٹتی جا رہی ہے اور بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی۔''

ڈاکٹر نوشاہی: یہ ختم ہونا ایک فطری عمل ہے جو اپنا طبعی راستہ طے کر رہا ہے۔ ممکن ہے عرب کہیں کہ ایران میں ان کی تہذیب کا ایک حصہ موجود ہے جو مٹتا جا رہا ہے، بالکل اسی طرح آپ کی تہذیب کا ایک حصہ برّصغیر میں ہے جو رفتہ رفتہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ مٹنے کا یہ عمل فطری طریقے پر جاری ہے۔

انوشہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایرانی حکومتیں جو برسراقتدار آتی ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ فارسی زبان کے تحفظ کے لیے کمک کریں، اس نقطۂ نظر سے نہیں کہ اس کا پہلا دور لوٹ آئے، کیونکہ یہ کارمحال ہے اور ایک لاحاصل توقع ہے۔ لیکن یہ تو ممکن ہے کہ برّصغیر میں رو بہ زوال فارسی کو کسی حد تک بچا لیا جائے۔

ڈاکٹر نوشاہی: جہاں تک فارسی کے تحفظ کا سوال ہے تو اس کے لیے مختلف اقدامات کیے جا سکتے ہیں، مثلاً حکومت ایران و پاکستان کے مابین ایک معاہدہ کیا جا سکتا ہے جس کی رو سے مخطوطات کی خریداری اور حفاظت کے لیے [پاکستانی] عجائب گھروں اور

یونیورسٹیوں کو گرانٹس دی جائیں تا کہ یہ علاقے کے مخطوطات کی حفاظت کر سکیں۔

انوشہ: کیا اس سلسلے میں حکومتی اقدامات موثر ثابت ہو سکتے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ''ہم'' اس صورتحال پر فکر مند یا پریشان ہیں تو اس سے کیا مراد ہے، کوئی فرد یا آپ کی حکومت؟ اگر فکر مندی انفرادی ہے تو یہ آپ کی تہذیب سے دل سوزی کی علامت ہے۔ آپ کا دل کڑھتا ہے لیکن آپ بے بس ہیں۔ البتہ اگر آپ کی حکومت اس حوالے سے فکر مند ہے تو اسے اس کا تدارک بھی کرنا چاہیے۔ مثلاً ایرانی حکومت، حکومت پاکستان سے اس ضمن میں معاہدے کرے اور مخطوطات کی حفاظت کے لیے عجائب گھروں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دے۔ مزید یہ کہ ایرانی حکومت وہاں اپنے ثقافتی قونصل خانوں کو پابند کریں کہ وہاں شائع ہونے والی فارسی کتب کے سو، دو سو نسخے خرید کر ایران بھیجیں۔ یہ ہوا فارسی کی حفاظت کا ایک راستہ۔ اور بھی راستے اور تجاویز ہیں لیکن افسوس کہ ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اب یہ ممکن نہیں ہے کہ مثال کے طور پر پچاس سال پہلے اگر برّصغیر میں نکاح نامہ فارسی میں لکھا جاتا تھا تو آپ کی خواہش ہو کہ دوبارہ پاکستان میں یہ دستاویز اسی زبان میں تحریر کی جائے۔ یہ امر اب محال ہے۔ اسے اردو میں ہی لکھا جانا چاہیے اس لیے کہ وہاں کے لوگوں کی زبان اردو ہے۔ البتہ فارسی ہماری تہذیبی زبان تھی اور رہے گی۔ خود ہم اس تہذیب سے الگ نہیں ہو سکتے۔ حالیہ چند سالوں میں مجھے ایران آمد و رفت اور ایرانیوں سے مل کر یہ اندازہ ہوا ہے کہ ایرانی یہ سمجھتے ہیں کہ برّصغیر میں موجود فارسی تہذیب مکمل طور پر ایرانی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس تہذیب کا تعلق برّصغیر سے ہے۔ یہ درست ہے کہ وہاں موجود آثار، فارسی دری میں تحریر شدہ ہیں لیکن وہ ہماری اپنی فارسی ہے نہ کہ ایرانیوں کی۔ مصنفین بھی ایرانی نہیں ہیں۔، لہذا ایرانی دوستوں کا یہ طرز فکر، کہ برّصغیر کی فارسی تہذیب، ایرانی تہذیب ہے، درست نہیں ہے۔ آپ وہاں کا تہذیبی ورثہ وہاں کے لوگوں سے متعلق رہنے دیں اور ان کی حفاظت بھی ذمہ داری بھی انھی کی ہے۔ ان کی مدد کرنا دوسرا مسئلہ ہے، لیکن ان سارے ورثے کو اپنا [ایرانی] قرار دینا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔

انوشہ: ہم اسے اپنا قرار نہیں دے رہے، بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مشترکہ ورثہ ہے۔

ڈاکٹر نوشاہی: ''مشترکہ ورثہ''! ہاں یہ ترکیب قدرے بہتر ہے۔ لیکن کچھ لوگ اس کے لیے ''ایرانی ورثہ'' کی ترکیب استعمال کرتے ہیں، جو میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

کیان فر: یہاں وہ تہذیبی حدود زیر بحث ہیں جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج سکڑتی جا رہی ہیں۔ مسئلہ انہیں مزید مختصر ہونے سے بچانے کا ہے۔ انہیں وسعت دینا اگر ہمارے اختیار میں نہیں ہے، تو کم از کم موجودہ حدود کو ہی برقرار رکھا جائے اور انھیں بتدریج چھوٹا ہونے سے بچایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ جناب انوشہ کا مطلب یہی تھا۔

ڈاکٹر نوشاہی: کسی ملک کی ثقافتی پالیسی اس ملک کے سیاسی نظام پر بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ پاکستان اور برّصغیر میں فارسی کی صورت حال کو ایرانی انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد سے موازنہ کریں۔ یہاں کا حکومتی نظام وہاں فارسی زبان کی کمزوری پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ اور یہ بات قابل توجہ ہے۔ یہ درست ہے کہ حکومت ایران فارسی زبان اور مشترکہ تہذیب

کی حفاظت کے لیے پریشان ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس ضمن میں عملی طور پر کیا اقدامات کیے گیے ہیں؟

کیان فر: یہ بہت اہم نکات ہیں، بشرطے کہ انھیں ارباب اختیار تک پہنچایا جائے۔

انوشہ: کسی نے برّصغیر میں فارسی زبان کے متعلق ایک بہت خوبصورت بات کہی کہ ایران اس وقت وہاں فارسی کے لیے جو کام کر رہا ہے، اس کی مثال اس بدصورت حبشی مرد کی سی ہے جس نے ایک روتے ہوئے بچے کو گود میں لیا ہوا ہے اور بچہ اسے دیکھ کر مزید رو رہا ہے۔ اس صورت حال میں سب سے اچھا کام یہ ہے کہ اس بچے کو گود سے اتار دیا جائے اور اسے کچھ نہ کہا جائے۔

ڈاکٹر نوشاہی: ایسا ہی ہے۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں کہ ہم اس تہذیب کے خود متولی بنیں۔ ان شاء اللہ ہم اس کی حفاظت بھی کرلیں گے۔

کیان فر: نوشاہی صاحب، اب آپ ہمیں اپنے اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے بارے میں بتائیں کہ وہاں آپ کا کام کیا رہا ہے اور یہ کہ آپ فارسی کے استاد بھی ہیں۔ یہ مرکز کب قائم ہوا اور اس کے قیام کے کیا مقاصد تھے؟

ڈاکٹر نوشاہی: اس مرکز کا قیام ۱۹۷۰ء میں وزارت تعلیم پاکستان اور وزارت فرہنگ و ہنر ایران کے تعاون سے ''مشترکہ ثقافتی ورثہ'' [یہ لفظ معاہدے میں موجود ہے] کی غرض سے عمل میں لایا گیا، جس سے یہی فارسی زبان مراد ہے۔ اس مرکز کی بیشتر توجہ مخطوطات کی جانب مبذول رہی ہے۔ پاکستان کے مدارس، دیہات اور خانقاہوں میں موجود بے توجہی کا شکار قلمی نسخوں کو اس مرکز میں جمع کرنا اور سرکاری لائبریریوں میں رکھے گئے مخطوطات کی فہرست سازی اس مرکز کے اہداف میں شامل ہے۔ الحمدللہ، گذشتہ تیس سال سے یہ مرکز یہاں مخطوطات کی جمع آوری اور ان کی فہرست نویسی کے ضمن میں قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس وقت مرکز تحقیقات فارسی کے کتاب خانہ گنج بخش میں تقریباً ۲۴ ہزار قلمی نسخوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں سے ۲۲ ہزار نسخوں کی دستی فہرست چھپ چکی ہے۔ استاد احمد منزوی کی [تیار کردہ کتب خانۂ مرکز تحقیقات فارسی کے مخطوطات کی] چار جلدوں کے علاوہ اس مرکز نے کئی دیگر لائبریریوں میں موجود مخطوطات کی فہرستیں بھی انھی مقاصد کے حصول کے تحت شائع کی ہیں۔ جیسے نیشنل میوزیم آف پاکستان، انجمن ترقی اردو، اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرۂ آذر کے فارسی مخطوطات کی فہرست۔ اس مرکز کا اہم اور نمایاں کارنامہ استاد احمد منزوی کی تیار کردہ خطی نسخوں کی فہرست کی چودہ جلدوں میں اشاعت ہے۔ استاد احمد منزوی نے پاکستان میں قیام کیا اور یہ کارنامہ انجام دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، مرکز کے کام کا ایک حصہ تدوین متون اور ان کی اشاعت سے متعلق ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اب تک مختلف موضوعات، مثلاً تاریخ، تذکرہ، تصوف، ادب وغیرہ پر مشتمل تقریباً ایک سو پچاس فارسی متون اس مرکز کے زیر اہتمام چھپ چکے ہیں۔

کیان فر: خود آپ کا اس مرکز میں کیا کردار رہا ہے۔ آپ کب اس ادارے سے وابستہ ہوئے؟

ڈاکٹر نوشاہی: میں ۱۹۷۴ء میں بحیثیت فہرست نویس اس مرکز کے کتب خانہ ''گنج بخش'' سے وابستہ ہوا اور ۱۹۸۱ء تک یعنی تقریباً سات سال تک وہاں خدمات انجام دینے کے بعد خانۂ فرہنگ ایران، کراچی چلا گیا۔ جہاں سے ایک سال کے بعد ہی خانۂ

فرہنگ ایران، راول پنڈی واپس آ گیا اور آٹھ سال تک سفارت خانۂ ایران، اسلام آباد کے ثقافتی قونصلر کے دفتر سے نکلنے والے مجلّات **فجر** اور **دانش** میں بطور مدیر فرائض سرانجام دیتا رہا۔ ۱۹۸۹ء میں سے پی ایچ ڈی کی غرض سے ایران آیا اور تہران یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۹۳ء میں وطن لوٹ گیا۔ ''فرہنگستان زبان وادب'' کی دعوت پر ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۵ء تک دوبارہ ایران میں قیام پذیر ہوا۔ اسی دوران فرہنگستان میں **دانش نامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارّہ** کی تألیف کا ڈول ڈالا گیا اور ہم نے اس کے لیے ابتدائی کام کیا یعنی مقالوں کے عنوانات تجویز کیے۔ یہاں ایک سال کام کرنے کے بعد واپس پاکستان چلا گیا اور دوبارہ مرکز تحقیقات فارسی کے شعبۂ تحقیقات سے وابستہ ہو گیا۔ جس کا کام تدوین متون تھا۔ ۱۹۹۸ء میں بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورڈن کالج، راولپنڈی کے شعبۂ فارسی میں تقرر ہوا۔

کیان فر: بظاہر اب تک مرکز تحقیقات کے ڈائریکٹر زا یرانی ہی رہے ہیں۔ کیا کبھی کوئی پاکستانی بھی اس عہدے پر فائز ہوا؟

ڈاکٹر نوشاہی: معاہدے کی رو سے دو سال تک اس مرکز کا سربراہ پاکستان سے اور دو سال تک ایران سے ہونا تھا لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا۔ چونکہ تا حال اس مرکز کے جملہ اخراجات ایرانی حکومت برداشت کرتی رہی ہے لہذا اس کا سربراہ بھی ایرانی ہی رہا ہے۔ کوئی پاکستانی اس کا سربراہ نہیں بنا۔

کیان فر: آپ کے خیال میں کس دور کو اس مرکز کا بہترین دور کہا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جب اس کی بنیاد رکھی گئی اور ڈاکٹر علی اکبر جعفری پہلے ڈائریکٹر مقرر ہوئے، بجا طور پر اس دَور کو مرکز کا بہترین دَور کہا جا سکتا ہے۔ بعد میں آنے والے مدیروں نے بھی اپنے فرائض پوری لگن اور تن دہی سے انجام دیئے۔ فہرست نویسی، تدوین و اشاعت متون یا انکی عکسی طباعت کے ضمن میں اکبر ثبوت صاحب کا دور بلاشبہہ اس مرکز کے بہترین ادوار میں سے ایک ہے۔

کیان فر: آپ کچھ اپنے کاموں کے بارے میں بھی بتائیں۔ آپ زبان، ثقافت اور مشترکہ ادبیات سے محبت رکھنے والے وہاں کے نمایاں فہرست نگار ہیں۔ آپ نے انفرادی طور پر یا مرکز کے لیے کام کیا۔ آپ کی ان خدمات کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تدوین وتصنیف کتب اور دوسرا مقالہ نویسی۔ ہم چاہیں گے کہ آپ ہمارے قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر ان دونوں امور سے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

ڈاکٹر نوشاہی: میری ابتدائی دلچسپی فہرست نویسی سے ہے، خواہ وہ مخطوطات کی ہو یا مطبوعہ کتب کی۔ میں نے اپنا کام سنگی چھاپہ کتب کی فہرست نویسی سے شروع کیا اور کتاب خانہ گنج بخش میں موجود سنگی طباعت کتب کی فہرست دو جلدوں میں تیار کی۔

کیان فر: ''کتاب خانۂ گنج بخش'' کیا مرکز تحقیقات فارسی کی لائبریری کو ہی کہا جاتا ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، مرکز تحقیقات فارسی کی لائبریری کا نام ہی کتاب خانہ گنج بخش ہے جو **کشف المحجوب** کے مصنف ''علی ہجویری'' کے نام سے منسوب ہے۔ پاکستان میں ہجویری، ''داتا گنج بخش'' کے لقب سے معروف ہیں اور ان کے احترام میں اس کتب خانے کا نام ''گنج بخش'' رکھا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں استاد احمد منزوی پاکستان تشریف لائے۔ ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے مجھے بھی مخطوطات سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اسی دوران میں نے نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں موجود چار ہزار

قلمی نسخوں کی فہرست نویسی کا کام انجام دیا۔ کتاب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی کی لائبریری کے تقریباً ایک ہزار مخطوطات کی فہرست سازی بھی کی ۔ یہ دونوں فہرستیں مرکز تحقیقات فارسی ،اسلام آباد سے شائع ہوئیں۔ استاد منزوی نے مجھے برّصغیر کی مطبوعہ فارسی کتب کی فہرست سازی کا مشورہ دیا، چنانچہ میں نے ۱۹۷۸ء میں اس کام کا آغاز کیا۔ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر ۲۰۰۰ء میں، اس فہرست کو ایک جگہ لا کر ختم کیا۔ اس میں برّصغیر میں چھپی ۲۵۰۰۰ کتب کا تعارف ہے۔ خوش قسمتی سے ۱۹۹۸ء میں ایک سفر ایران کے دوران رحیمی ریسہ صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ جنھیں میں پہلے نہیں جانتا تھا۔ ہمارے مابین ہونے والی گفت گو کا موضوع یہی فہرست تھی۔ انہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ میں نے پاکستان واپسی پر اپنے کام کا کچھ حصہ ان کی خدمت میں بطور نمونہ ارسال کیا جسے انہوں نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اسے اپنے اشاعتی ادارے ''مؤسسہ نشر فہرستگان'' سے چھاپنے کا معاہدہ کیا۔ یہ فہرست تقریباً تین ہزار صفحات میں کمپوز ہو چکی ہے اور اب پروف ریڈنگ کے مرحلہ میں ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ فہرست تکمیل کے بقیہ مراحل طے کر کے استفادۂ عام کے لیے دست یاب ہوگی۔ [اب یہ منصوبہ مرکز پژوہشی میراث مکتوب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اشاعت کے لیے تیار ہے۔] میرے خیال میں برّصغیر کی مطبوعہ کتب کی یہ فہرست ایک اہم تہذیبی خدمت ہے۔ علاوہ ازیں میں فارسی ادب سے متعلق کئی اور کام بھی انجام دے رہا ہوں۔ مختلف ادبی اور تحقیقی رسائل کے علاوہ ایرانی اور غیر ملکی دائرہ ہائے معارف کے لیے مقالات لکھتا ہوں۔ نیز تدوین متون بھی میرے مشاغل میں شامل ہے۔

کیان فر: تدوین متون کے ضمن میں آپ نے اب تک کیا خدمات انجام دی ہیں؟ یہ بھی بتائیے کہ ان میں سے کون کون سے متون شائع ہو چکے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: میرے تدوین کردہ بعض متون مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد سے چھپ چکے ہیں۔ اوائل بارہویں صدی میں خاندان نوشاہیہ سے متعلق تألیف شدہ فارسی متن **احوال و مقامات نوشاہ گنج بخش** ان میں سے ایک ہے۔ پہلی اردو سے فارسی لغت **کمال عترت** بھی شایع ہو چکی ہے جو بارہویں صدی ہجری کا ایک متن ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار سے متعلق چار متن [میری مرتّبہ کتاب **احوال و سخنان خواجہ عبید اللہ احرار** میں یکجا] مرکز نشر دانشگاہی ایران سے طبع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں **معدن الدرر فی سیرت شیخ حاجی عمر** کی تدوین ڈاکٹر معین نظامی کے اشتراک سے کی جو نشر کازرونیہ، تہران کی جانب سے شایع ہوئی ہے۔

کیان فر: آپ اس مرکز سے نکلنے والے مجلّے **دانش** سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ ایرانی رسائل و جرائد کے ساتھ آپ کی علمی معاونت کس قدر ہے؟

ڈاکٹر نوشاہی: میں نے ایران میں اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی مختلف ایرانی رسائل **آینده**، **تحقیقات اسلامی** اور **معارف** [مرکز نشر دانشگاہی کا رسالہ] کے لیے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ میرے سب سے زیادہ مقالات **معارف** میں شائع ہوئے ہیں۔ بعد میں جب مجلّہ **نامۂ بہارستان** کا اجرا ہوا تو میں نے بطور خاص مخطوطہ شناسی کے موضوع پر مقالے لکھے اور ان شاء اللہ آیندہ

بھی لکھتا رہوں گا۔

رحیمی ریسہ: نوشاہی صاحب کے- زیادہ تر- ایرانی مجلّات میں وقتاً فوقتاً شائع شدہ مقالات کا مجموعہ **مقالات عارف** کے نام سے بنیاد موقوفات ڈاکٹر محمود افشار سے شاید ایک ہفتہ قبل ہی شائع ہوا ہے۔[بعد میں اس کی دوسری جلد بھی شایع ہوگئی]

انوشہ: ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ آپ کا خاندان پاکستان کے قدیم خانوادوں میں شمار ہوتا ہے۔کیا آپ کے علاوہ بھی اس خاندان میں فارسی زبان وادب کی خدمت کرنے والے گذرے ہیں؟

ڈاکٹر نوشاہی: جی ہاں، اس خاندان کے بانی سے لے کر مجھ تک بارہ نسلوں گذری ہیں۔ ہر نسل میں صاحبِ تصنیف افراد گذرے ہیں۔ جو مؤلف، شاعر، مورخ، تذکرہ نویس، اور فقیہ تھے اور بحمد للہ یہ روایت آج تک برقرار ہے۔موجودہ دور میں [فارسی زبان وادب کے حوالے سے] ڈاکٹر خضر نوشاہی مخطوطات شناسی، فہرست نگاری اور تدوین متون کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔حال ہی میں انہوں نے رحیمی ریسہ کے ادارے کے لیے دو فہرستیں مرتب کی ہیں۔پی ایچ ڈی کے مقالہ کے طور پر انھوں نے **معیار سالکان طریقت** مرتب کیا ہے اور اس پر ایک وقیع مقدمہ لکھا ہے۔**معیار سالکان طریقت** کی حیثیت دائرۃ المعارف کی سی ہے۔اس میں پہلی سے بارہویں صدی ہجری تک کے رجال کا ذکر ملتا ہے۔۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل یہ ایک نہایت اہم تذکرہ ہے۔خضر نوشاہی صاحب نے پہلے اس کی تدوین کی، پھر اپنے ہاتھ سے لکھا اور اپنے ذاتی خرچ سے چھپوایا۔میرے خیال میں آج ایران میں شاید ہی کوئی ایسی مثال دیکھنے میں آئے کہ کوئی شخص ایک کتاب کی تدوین کرے، پھر خود ہی کتابت کرے اور خود ہی چھاپے! آپ ہیں کہ برّصغیر میں فارسی زبان کے زوال پر افسوس کرتے ہیں[کیا اہل پاکستان کی فارسی سے ایسی محبت بے لوث نہیں ہے؟]۔لیکن مرکز نشر میراث مکتوب نے اپنے لیے متون کی اشاعت کا جو راستہ انتخاب کیا ہے، یہ واقعی بہت بڑا ہدف ہے۔

پاکستان میں بھی آپ کا ادارہ متعارف ہے اور فارسی متون پر کام کرنے والا حلقہ اس سے بخوبی آشنا ہے۔میں ذاتی طور پر اس ادارے کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتا ہوں اور ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۲ء میں سفر ایران کے موقع پر بطور خاص آپ کے پاس آیا تھا۔میری آپ سے فقط یہ گزارش ہے کہ برّصغیر کے فارسی متون کی طرف زیادہ توجہ کریں۔اہم کتب اشاعت کے لیے منتخب کریں۔ایران اور برّصغیر میں بہت سی عمدہ کتب ایسی ہیں جو ہنوز طبع نہیں ہوئیں۔برّصغیر کو بھول نہ جائیں۔میں جانتا ہوں کہ وسطی ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد سے ایران کی توجہ اس جانب مبذول ہوگئی ہے، لیکن برّصغیر کو نہ کھوئیں، جو ایران کے بعد فارسی ادب کا اہم ترین مرکز سمجھا جاتا ہے۔یہ درست ہے کہ وسطی ایشیا کی زبان بھی فارسی ہے، لیکن علم وادب کے جو خزینے برّصغیر میں ہیں کسی اور ملک میں موجود نہیں ہیں۔لہذا برّصغیر آپ کی قرار واقعی عنایت اور توجہ کا مستحق ہے۔

ایرانی: آپ اطمینان رکھیے، ہمیں اس امر کا بخوبی احساس ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ادارے میں ''شعبۂ میراث ماوراء النہر'' کی طرح ''شعبۂ میراث برّصغیر'' بھی قایم کریں۔ہم نے **سعادت نامہ** جیسی کتب شائع کی ہیں جب کہ تذکرہ **نشتر عشق** زیر طبع ہے۔ان شاء اللہ آپ کے تعاون، اور آپ کے متعارف کردہ اہل علم حضرات اور لائق طلبہ کی معاونت

سے، اگر انھوں نے تدوین متون پر اچھا کام کیا ہے اور آپ اسے پسند کرتے ہیں تو برّصغیر سے متعلق ایک اچھا مجموعۂ کتب تیار ہو جائے گا۔

ڈاکٹر نوشاہی: آپ کے ادارے سے شائع ہونے والی کتاب **سعادت نامہ** کو وہاں خوب پذیرائی ملی ہے اور اس پر تبصرہ بھی لکھا گیا ہے جو میں نے اس سفر کے دوران [اس کتاب کے مرتّب] جناب ایرج افشار کو دیا ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے فارغ التحصیل ایک طالب علم محمد اطہر مسعود کا ایم۔اے فارسی میں تحقیقی مقالہ کا موضوع یہی **سعادت نامہ** تھا۔ اب وہ اسے دوبارہ مرتّب کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس سعادت نامہ کے ایسے مخطوطات ہیں جو جناب افشار نے استعمال نہیں کیے۔ میں نے آپ کی اشاعت سے اطہر مسعود کو آگاہ کیا ہے۔ آپ کے ادارے سے برّصغیر کے متعلق طبع ہونے والی تمام کتب پاکستان میں لائق توجہ قرار پاتی ہیں، لیکن اگر آپ مزید توجہ دیں بالخصوص تذکروں کی اشاعت کے ضمن میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی پذیرائی میں مزید اضافہ ہوگا۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ یہاں کی نوجوان نسل، جیسے آقائے اکبر ایرانی، آقائے رحیمی ریسہ اور آقائے ناصر گلباز اس تہذیبی خدمت کو سنجیدگی سے انجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ آپ تحسین کے مستحق ہیں۔

ایرانی: بہت شکریہ۔ ہمیں بھی بہت خوشی ہوئی کہ اس سفر میں آپ سے ملاقات ہوئی۔

Abstract

This is the text of an Interview of Dr. Arif Naushahi by a panel of Irani experts, researchers, editors and publishers. The history of the centres of the Persian manuscripts in the sub-continent, and matters regarding their protection, cataloguing, editing and translation have been discussed thoroughly in this interview. The attempts to revive such research based activities in Pakistan and Iran at individual as well as institutional level have also been reviewed and analyzed and useful suggestions have been given to both the governments for the survival and growth of Persian Language in the current situation.